اسلامی طرز زندگی، قرآن کی نظر میں

(تجزیاتی مطالعہ)

فرمان علی سعیدی[١]، سید ہاشم رضا عابدی[٢]

خلاصہ

اسلام زندگی میں انقلابی تبدیلیاں پیدا کرتا ہے۔ اسلام ایک طرز زندگی ہے جس میں انسان کا انفرادی اور اجتماعی کردار الٰہی تعلیمات کے مطابق ہو جاتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تبلیغ میں اسلامی طرز زندگی کی تعلیم دی اور اللہ تعالی نے قرآن مجید میں اس طرز زندگی کی رہنمائی کی۔ اسلامی معاشرہ وہی ہوگا جس میں طرز زندگی قرآن کے مطابق ہو۔ اسلامی طرز زندگی، بنیادی اور اہمیت کا حامل موضوع ہے اس لیے ہر دور میں اس پر تحقیق کی ضرورت ہے۔ یہ ایک مسلم قرآنی اصول ہے کہ ایمان اور عمل صالح، اسلامی زندگی کا بنیادی معیار اور حیات طیبہ تک پہنچنے کا واحد راستہ ہے۔ پاکیزہ زندگی اور لقاء پروردگار، ایمان اور عمل صالح کے ذریعہ نصیب ہوتی ہے۔ اسی بنا پر "حیات" تمام موجودات میں حرکت کا سبب ہے، "حیات طیبہ" (پاکیزہ زندگی) نہ فقط انسان کے لیے خداوند متعال کے شہود کا ذریعہ ہے بلکہ الٰہی سیر و سلوک اور نئی و روشن طرز زندگی کی بنیاد بھی فراہم کرتی ہے۔ اسلامی طرز زندگی سے کیا مراد ہے؟ قرآنی آیات میں اس کی کیا خصوصیات بیان ہوئی ہیں؟ بلند مقام والا انسان کی کیا صفات ہیں؟ اور اسلامی طرز زندگی کے کون سے اصول ہیں؟ اسلامی اور غیر اسلامی طرز زندگی کے درمیان کیا فرق ہے؟ اسلامی طرز زندگی کا بنیادی مقصد کیا ہے اور اس کی کیفیت کیا ہونی چاہیے؟ زندگی کے بارے میں انسان کا تصور اور اس کے نظریات اور مقصد حیات اس کے طرز زندگی پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

اہم الفاظ: طرز زندگی، قرآن، اسلام، انسان

١۔ مجتمع آموزش عالی امام خمینی (رح)، اہل بیت (ع) ہسٹری۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔
٢۔ مجتمع آموزش عالی فقہ و معارف، قرآنک سائنس پی۔ ایچ۔ ڈی۔

مقدمہ

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ[1]

جو نیک عمل کرے خواہ مرد ہو یا عورت بشر طیکہ وہ مومن ہو تو ہم اسے پاکیزہ زندگی ضرور عطا کریں گے اور ان کے بہترین اعمال کی جزا میں ہم انہیں اجر (بھی) ضرور دیں گے۔

اہداف

اسلامی طرز زندگی، بنیادی اور اہمیت کا حامل موضوع ہے اس لیے ہر دور میں اس میں تحقیق کی ضرورت ہے۔۔

اسلامی طرز زندگی سے کیا مراد ہے؟

قرآنی آیات میں اس کی کیا خصوصیات بیان ہوئی ہیں؟

بلند مقام والا انسان کی کیا صفات ہیں؟ اور اسلامی طرز زندگی کے کتنے پہلوں اور کون سے اصول ہیں؟

اسلامی اور غیر اسلامی طرز زندگیوں کے درمیان کیا فرق ہے؟

اسلامی طرز زندگی کا بنیادی مقصد کیا ہے اور اس کی کیفیت کیا ہونی چاہیے؟

زندگی کے بارے میں انسان کا تصور اور اس کے نظریات اور مقصد حیات اس کے طرز زندگی پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

طریقہ کار

ہر مکتب اور مذہب، بشریت کے لیے ایک خاص طرز زندگی تجویز کرتا ہے اور ساتھ اس بات کا مدعی بھی ہوتا ہے کہ متعالی و بے لوث زندگی اور عالی معاشرہ کا قیام، صرف اس کے بتائے ہوئے طرز زندگی کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب اسلامی طرز زندگی اور حیات طیبہ کا ذکر آتا ہے تو دو باتیں انسان کے ذہن میں آتی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں، اسلامی طرز زندگی اور حیات طیبہ میں دو ایسی چیزیں پائی جاتی ہیں جو ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔

---

[1]. نحل: ۹۷.

الف) عصر حاضر کے انسانی معاشرے غیر اسلامی طرز زندگی کی وجہ سے آفتوں اور مشکلات سے دوچار ہیں۔

ب)اسلامی طرز زندگی اور حیات طیبہ کیا ہے اور کس طریقے سے اس کا حصول ممکن ہے۔اس مقالہ کا موضوع "اسلامی طرز زندگی اور حیات طیبہ قرآن کریم کی نگاہ میں " ہے۔

نتائج

یہ ایک مسلم قرآنی اصول ہے کہ ایمان اور عمل صالح، اسلامی زندگی کا بنیادی معیار اور حیات طیبہ تک پہنچنے کا واحد راستہ ہے۔ پاکیزہ زندگی اور لقاء پروردگار، ایمان اور عمل صالح کے ذریعہ نصیب ہوتی ہے۔اسی بناپر "حیات " تمام موجودات میں حرکت کا سبب ہے، "حیات طیبہ "(پاکیزہ زندگی)نہ فقط انسان کے لیے خداوند متعال کے شہود کا ذریعہ ہے بلکہ الہی سیر و سلوک اور نئ وروشن طرز زندگی کا زمینہ بھی فراہم کرتی ہے۔

نتیجہ گیری

معاشروں میں اسلامی طرز زندگی کے تحقق کے لیے خاطر خواہ کوششیں نہیں ہو سکی، پاکیزہ زندگی ایک قرآنی اصطلاح ہے، اور حیات طیبہ کو مد نظر رکھتے ہوئے زندگی کی خصوصیات کے بارے میں تحقیق ہمیں اسلامی پسندیدہ زندگی کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔

تاریخ میں تمام انسانوں کے لیے ہمیشہ یہ سوال پیدا ہوا ہے کہ زندگی کا مقصد کیا ہے ؟اور کس لیے انسان زندگی کرتا ہے، در حقیقت انسان کی زندگی کا کیا ہدف اور کیا مقصد ہونا چاہیے ؟کائنات کے خالق نے انسان اور دنیا کو کس لیے خلق کیا ہے ؟ یہ مطلب توجہ کا طالب ہے کہ یہاں سوال کا مقصد یہ نہیں کہ اس کائنات کے بنانے کا ہدف کیا ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ انسان کا کمال کس چیز میں ہے اور اس کا مقصد کیا ہے ؟ دوسرے لفظوں میں، انسان کی حقیقت کیا ہے، تاکہ اس کے نتیجہ میں، دنیا میں انسان کے شایان شان طرز زندگی، معلوم ہو جائے۔

تمام ادیان الہی کا مشترکہ عقیدہ، جسے دینی کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ؛ایک طرف غیر الہی طرز زندگی کی مذمت کے ساتھ ساتھ اس کے نقصانات کی نشاندہی کی گئ ہے اور یہ نکتہ انسان کی دونوں انفرادی و سماجی زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔قرآن کی بعض آیات میں، انسان کی موجودہ حالت

کی مذمت کی گئی ہے مثال کے طور پر سورہ عصر، آیہ ۲؛احزاب، ۷۲؛ابراهیم، ۳۴؛علق، ٦؛ معارج، ۱۹و۲۰؛اسراء، ۱۱، ٦۷و۱۰۰؛حج، ٦٦؛ شوري، ۴۸؛زخرف، ۱۵. بعض دوسری آیتوں میں، انسان کی سماجی زندگی کی مذمت کی گئی ہے۔ تو دوسری طرف، بعض آیات میں، اسلامی طرز زندگی کو بیان کیا گیا ہے تاکہ انسانوں کو معلوم ہو جائے اسلام کے مد نظر، طرز زندگی کیا ہے، اس کے خصوصیات اور آثار کیا ہیں اور اس تک پہنچنا انسان کی بس میں ہے یا نہیں؟

دینی احکام کا اصلی ہدف، انسانوں کو موجودہ غیر اسلامی طرز زندگی سے نجات دلانا اور "پاکیزہ زندگی" کی طرف راہنمائی کرنا ہے۔ اسی بناپر، نظام ہستی کے مبدا اور ابتدا کو مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا ہے اور انسان کی خلقت کے آغاز ہی سے دونوں طرز زندگی کے خصوصیات اور آثار کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس تحقیق میں کوشش کی گئی ہے کہ قرآن کی نگاہ میں اسلامی طرز زندگی "حیات طیبہ" تک پہونچنے کے راستے معلوم کریں۔ حیات طیبہ کا مفہوم اور اس کی گہرائیوں کو قرآنی آیات کی روشنی میں اس کی تفسیر کا سہارا لیتے ہوئے، بیان کیا جائے گا۔

بنیادی اصول اور طریقہ کار

وَلَا تَشْتَرُوا بِعَهْدِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ إِنَّمَا عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ[1] مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ ۖ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِينَ صَبَرُوا أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً ۖ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ[2]

اور اللہ کے عہد کو تم قلیل معاوضے میں نہ بیچو، اگر تم جان لو تو تمہارے لیے صرف وہی بہتر ہے جو اللہ کے پاس ہے۔ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے اور جن لوگوں نے صبر کیا ہے ان کے بہترین اعمال کی جزا میں ہم انہیں اجر ضرور دیں گے۔ ۹۷۔ جو نیک عمل کرے خواہ مرد ہو یا

[1]. نحل آیہ ۹۵۔
[2]۔ نحل ۹٦ ـ ۹۷

عورت بشر طیکہ وہ مومن ہو تو ہم اسے پاکیزہ زندگی ضرور عطا کریں گے اور ان کے بہترین اعمال کی جزامیں ہم انہیں اجر (بھی) ضرور دیں گے۔

جہاں "عنداللہ" اور "حیات طیبہ" تک پہونچنا، مومنین کے صبر اور بردباری کا صلہ ہے جنہوں نے عہد الہی کو نہیں توڑا اور معمولی داموں پر نہیں بیچا۔ بہترین عمل کے ذریعہ، غیر قابل توصیف اور بے نظیر فایدہ ہاتھ آتا ہے۔ یہ نتیجہ اور صلہ صرف ظاہری عمل کے ذریعہ نہیں بلکہ بہترین عمل کے ذریعہ ایمان کی شرط کی ساتھ ہر مومن مرد اور عورت کو نصیب ہوتا ہے۔ ہر قسم کے زوال، نابودی، ناکامی، خوف اور غم سے پاک ہونا، حیات طیبہ اور پاکیزہ زندگی کی خصوصیات ہیں۔ اس اسلامی پاکیزہ زندگی کے مقابلے میں، پست زندگی ہے، جو شیطان کی سرپرستی میں گزرتی ہے اور یہ زندگی ان لوگوں کے لیے ہے جو شیطان کے پیروکار ہیں۔ "حیات طیبہ" کے بارے میں مختلف نظریہ بیان ہوئے ہیں ہم ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کریں گے۔

مرحوم طبرسی تفسیر مجمع البیان میں "حیات طیبہ" پاکیزہ زندگی کی تفسیر اس طرح فرماتے ہیں کہ وہ زندگی جو حلال رزق وروزی پر مشتمل ہو جس میں شرافت، قناعت اور شادابی پائی جاتی ہو جس کے نتیجہ میں خوبصورت اور حشاش بشاش بہشت، اور اچھی زندگی عالم برزخ میں نصیب ہوتی ہو۔ بعض دوسرے مفسرین، "حیات طیبہ" کو بہشتی زندگی سے تعبیر کیا ہے کہ جس میں موت، فقر، بیماری اور شقاوت کا تصور نہیں ہے۔ بعض دیگر مفسرین نے "حیات طیبہ" سے مراد دنیوی زندگی کو لیا ہے جو قناعت اور تقدیر الہی پر راضی ہو، کیونکہ ایسی "حیات طیبہ" سب سے زیادہ پاکیزہ زندگی ہے۔ البتہ جو نظریہ مفسرین نے حیات طیبہ کے بارے میں دیا ہے، وہ کامل نہیں ہے۔ خداوند متعال اس آیہ شریفہ میں ایک مہم وعدہ مردوں اور عورتوں کو دے رہا ہے کہ ایمان اور عمل صالح کے نتیجہ میں "حیات طیبہ" کو انہیں عطا کریگا۔ صرف شرط مومن اور اچھے عمل انجام دینے والا ہونا ہے۔ کیونکہ اس شخص کا عمل جو صاحب ایمان نہیں ہے، نابود اور برباد ہو جائیگا۔ وَلاَ تَشْتَرُواْ بِعَهْدِ اللّهِ[1] اس آیہ شریفہ میں خداوند عالم نے عہد وپیمان پر وفا کرنے کا حکم دیا ہے اور عہد الہی کے توڑنے سے منع کیا ہے۔ کیونکہ عہد وپیمان پر عمل کرنے کا لازمہ، سختیوں پر صبر کرنا ہے جو انسان کے ہوای نفس کے مخالف ہے۔ وہ

[1] ۔ نحل ۹۵

افراد جو سختیوں پر صبر کرتے ہیں، خدا انہیں اس قدر زیادہ اجر عطا کریگا جو ان کے اعمال سے کہیں زیادہ ہو گا۔ چاہے اطاعت خداوندی پر صبر ہو، یا گناہ سے دوری کرنے پر، یا سختیوں اور مصیبتون کے مقابلے میں ہو۔ صرف شرط یہ ہے کہ صبر خدا کی راہ میں ہو۔ اعمال سے مراد، یہ ہے کہ وہ عمل اپنی نوعیت میں ایک اچھا عمل ہو اور دوسرا سب سے اچھا ہو۔ خداوند متعال کی جانب سے اس کی جزا بھی سب سے اچھی ہو گی۔ مثال کے طور پر، جو نماز، صابر بندہ اللہ کی راہ میں انجام دیتا ہے، اس کا بدلہ خدا کی جانب سے اچھا ہوتا ہے۔ جیسا کہ یہ آیہ شریفہ:

إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ[1]

یقیناً بے شمار ثواب تو صرف صبر کرنے والوں ہی کو ملے گا۔

طرز زندگی کے مختلف پہلو اور مدینہ فاضلہ کے مدمقابل متضاد طرز زندگی فارابی کی نگاہ میں:

جناب فارابی، مدینہ فاضلہ کے مدمقابل، مدینہ کو مدینہ جاہلیہ یا ضالہ سے تعبیر کیا ہے۔ ان میں سے بعض مندرجہ ذیل ہے۔

ا۔ مدینہ ضروریہ:

اس طرز زندگی میں، معاشرے کے افراد، اپنی زندگی کی ضروری چیزوں کی تلاش میں ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر—خوراک— کھانے پینے کی چیزیں—لباس اور گھر۔ اس ہدف تک پہونچے کے لیے جو راستے ایسے معاشرے میں اپنائے جاتے ہیں وہ کاروبار، تجارت، کھیتی باڑی، شکار، گلہ بانی وغیرہ ہے۔

۲۔ شہر نزالہ یا پست لوگوں کا معاشرہ:

اس طرز زندگی میں، افراد کی تمام کوششیں اور ایک دوسرے کے ساتھ سماجی تعاون کی وجہ پہلے مرحلہ میں، مال کا جمع کرنا، حد سے بڑھ کر ضروریات زندگی کا کسب کرنا اور دولت کی طرف رغبت ہے جبکہ دوسرے مرحلہ میں اپنی جسمانی ضرویات کو پورا کرنا اور روزمرہ زندگی گزارنا ہے۔ اس قسم کے طرز زندگی کا مقصد، پستی اور شقاوت ہے۔ عیاشی اور ہوی و حوس کے علاوہ کوئی اور ہدف نہیں ہے، چاہے عیاشی جسمانی اعتبار سے ہو یا نفسانی اعتبار سے ہو یا دونوں اعتبار سے۔

---

[1] ۔الزمر: ۱۰

۳۔ شہر کرامت:

جناب فارابی کے نزدیک شہر جاہلیہ یا ضالہ کی بہترین مثال شہر کرامت ہے۔ کیونکہ اس شہر کے حکمرانوں کا ہدف، احترام اور اعتبار کسب کرنا ہوتا ہے۔

۴۔ شہر تغلبیہ:

شہر تغلب، غلبہ سے نکلا ہے یعنی ایسا معاشرہ جس کے حکمران ظالم، مستبد اور آج کل کے اصطلاح میں، ڈیکٹیٹر ہوں۔

۵-شہر جماعیہ :

اس شہر سے مراد، ایسا معاشرہ ہے جسکی حکومت لوگوں کی رضایت اور رائے پر مبنی ہو، آج کل کے اصطلاح میں، "ڈیموکریٹک" ہے۔

قرآنی آیات میں غور و تفحص کرنے سے، "حیات طیبہ" کی بہت سی خصوصیات کا پتہ چلتا ہے۔ "حیات طیبہ" کی بعض خصوصیات مندرجہ ذیل ہے:

ا۔ حقیقی زندگی:

حیات کا معنی، کسی چیز کو زندگی دینا اور حیات بخشنا ہے۔ آیہ شریفہ:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً[1]

جو نیک عمل کرے خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اسے پاکیزہ زندگی ضرور عطا کریں گے

اس بات کی وضاحت کر رہی ہے، وہ مومن جو اپنے نیک کام کے ذریعہ ایک نئ زندگی کا آغاز کرتا ہے اس کی زندگی دوسروں کی زندگی کی طرح نہیں ہے۔ اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ اس کی حیات میں تبدیلی آرہی ہو۔ اگر یہ منظور ہوتا تو خداوند فرماتا، "ہم اس کی حیات کو پاکیزہ قرار دیں گے" بلکہ یہ فرما رہا کہ "ہم اس کو ایک پاکیزہ زندگی عطا کریں گے۔ اگر کوئی پاکیزہ زندگی تک پہنچ جائے تو اسے ایسا علم و معرفت نصیب ہو گی جس تک دوسرے نہیں پہنچ سکتے۔ ایسا شخص حق کو زندہ کرنے اور باطل کو نابود کرنے جیسی نعمتوں سے بہرہ مند ہو جائیگا۔ یہ علم اور معرفت مومن کو اس قابل بنادیتے ہیں کہ حق و

[1]. النحل ۹۷

باطل کے درمیان آسانی سے تشخیص دے سکتا ہے۔ حق جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے اور باطل جو فانی ہے۔اس علم و معرفت کے بعد وہ دل کی گہرایوں سے، فنا ہونے والے باطل سے منہ پھیر لیتا ہے جو انسان کی مادی اور دنیوی زندگی ہے اور خداوند عالم کی عزت سے عزیز ہو جاتا ہے۔ جب اس کی عزت، خدائی عزت ہو جائے، شیطان اپنے وسوسوں سے اس انسان کو ذلیل اور خوار نہیں کر سکتا۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئُونَ وَالنَّصَارَىٰ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ[1]

جو لوگ اللہ اور روز آخرت پر ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل انجام دیتے ہیں وہ خواہ مسلمان ہوں یا یہودی یاصابی ہوں یا عیسائی انہیں (روز قیامت) نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ ہی وہ محزون ہوں گے۔

وہی افراد "پاکیزہ زندگی" تک پہنچ سکتے ہیں جنکے دل اپنے پروردگار سے جڑے ہوئے ہوں، قرب الٰہی کے سوا کسی کے طالب نا ہوں اور صرف خدا کی ناراضگی، عذاب الٰہی اور خدا سے دوری سے ڈرتے ہوں۔ ایسے انسان کو "پاکیزہ زندگی" حاصل ہو گی جو اپنے اندر نور، کمال، قوت، عزت اور خوشی کا احساس کرتا ہے جس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ یہ "پاکیزہ زندگی" ایک واقعی اور حقیقی زندگی ہے نہ غیر واقعی اور ناقص زندگی۔ اس جہت سے، پروردگار نے اس زندگی کو "پاکیزہ زندگی" سے تعبیر کیا ہے ایسی زندگی جس میں پلیدی نہیں پائی جاتی۔ جو لوگ «عنداللہ» کے مقام پر پہونچے ہیں، اپنے پروردگار کے یہاں، اس حقیقی زندگی سے بہرہ مند ہوئے ہیں وہ زندگی جو رب العالمین کے اسم گرامی «حيّ» کا ایک مظہر ہے۔

دنیوی زندگی کا غیر واقعی ہونا اور "عنداللہ" زندگی کا واقعی ہونا، غافل انسانوں کے لیے قیامت کے دن واضح ہو جائے گا اور انسان اس دن حسرت سے کہے گا:

يَا لَيْتَنِي قَدَّمْتُ لِحَيَاتِي[2]

وہ کہے گا کاش میں نے اپنی (اس) زندگی کے لیے کچھ آگے بھیجا ہوتا۔

---

[1]۔ مائدہ ۶۹۔

[2]. فجر ۲۴۔

کیونکہ وہ ایسا دن ہے جس کی طرف خداوند متعال اس طرح ارشاد فرمارہا ہے:

وَ يَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَ اسْتَمْتَعْتُم بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُونَ[1]

اور جس روز کفار آگ کے سامنے لائے جائیں گے (تو ان سے کہا جائے گا) تم نے اپنی نعمتوں کو دنیاوی زندگی میں ہی برباد کر دیا اور ان سے لطف اندوز ہو چکے، پس آج تمہیں ذلت کے عذاب کی سزا اس لیے دی جائے گی کہ تم زمین میں ناحق تکبر کرتے رہے اور بدکاری کرتے رہے۔

۲-دنیا اور آخرت کی نیکیوں کا مجموعہ:

مقام " عندیت " کا تعلق فقط کسی ایک عالم سے نہیں بلکہ، دنیا اور آخرت دونوں اس کی برکات سے سرشار ہیں، اور وہ افراد جو " حیات طیبہ " سے بہرمند ہیں، اسی دنیا میں اس برکت سے لطف آندوز ہو رہے ہیں۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا بَصِيرًا [2]

جو (فقط) دنیاوی مفاد کا طالب ہے پس اللہ کے پاس دنیا و آخرت دونوں کا ثواب موجود ہے اور اللہ خوب سننے والا، دیکھنے والا ہے۔

فَعِندَ اللهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَ الآخِرَةِ [3]

اللہ کے پاس تو دنیا اور آخرت دونوں کا صلہ اور ثواب ہے۔

اہل بیت علیہم السلام کی دعاؤں میں آیا ہے۔ «و تحیینا حیاةً طیّبه في الدنیا و الاخرة» ہمیں دنیا اور آخرت دونوں میں پاکیزہ زندگی سے بہرمند فرما۔ اس دعا سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ "حیات طیبہ " اپنے اندر دنیا اور آخرت کے خیر کو سمیٹے ہوئے ہے اور خدا بھی اس آیہ شریفہ میں

---

[1]. احقاف ۲۰ .

[2]. نساء ۱۳۴ .

[3]. نساء ۱۳۴ .

فرمارہاہے کہ دنیااور آخرت دونوں کی خیر پروردگار کے پاس ہے۔ بنابراین جو شخص "حیات طیبہ" کے ذریعہ دنیااور آخرت کے خیر سے بہرمند ہو، وہ شخص خدا کے یہاں مقام عندیت پر فائز ہوگا۔

۳۔استقامت اور پائیداری:

پاکیزہ زندگی سے بہرمندی ابدی اور ہمیشہ کے لیے ہے اور جو کوئی "پاکیزہ زندگی" حاصل کرلے تو پھر اس میں، نابودی اور زوال موجود نہیں ہے۔ قرآن اس آیت میں، "پاکیزہ زندگی" کے حوالے سے فرمارہاہے کہ عہد الٰہی کو فروخت نہ کرو، کیونکہ، "عند اللہ" (خدا کے یہاں) سے بہرمند ہونا تمہارے لیے بہتر، اچھااور پسندیدہ ہے۔اس کی دلیل بیان کرتے ہوئے خداوند عالم فرماتاہے: ﴿ مَا عِندَكُمْ يَنفَدُ وَ مَا عِندَ اللّهِ بَاقٍ ﴾جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔ دوسری آیت میں فرمایا:

وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ[۱]

وہ بہترین اور زیادہ پائیدار ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے اور اپنے رب پر بھروسا کرتے ہیں۔

۴-لامحدود ہونا:

تمام چیزوں کا سرچشمہ اور انتہا خدا کے پاس ہے حتی کہ دنیا کے معمولی سے فائدے، خدا کے پاس ہیں جس میں "عنداللہ" خدا کی لامحدود خزانے کی ایک جھلک اور جلوہ ہے۔

وَ إِن مِّن شَيْءٍ إِلاَّ عِندَنَا خَزَائِنُهُ وَ مَا نُنَزِّلُهُ إِلاَّ بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ[۲]

اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں اور ہم اسے نہیں اتارتے مگر ایک معین مقدار میں۔

"حیات طیبہ" تک پہنچنے والا، جس چیز کا طالب ہو خدا اسے وہ چیز عطا کرتا ہے اور کسی قسم کی محدویت نہیں ہے۔اس بناپر، وہ افراد جنہیں دنیاوی زندگی میں، حیات طیبہ تک رسائی حاصل ہوئی ہے، جو بھی

۱۔ شوری: ۳۶

۲۔ حجر ۲۱۔

وہ ارادہ کرے خدا انہیں دیتا ہے۔ یہ ان کے لیے آسان ہے اور اپنے مقصد تک پہنچنا، ان کے معنوی مقام کے مقابلہ میں، کم اہمیت ہے۔

۵-وجودی کمال:

عالم عند اللہ اور "حیات طیبہ "تک پہنچنا، ایک وجودی کمال کی طرف تبدیلی ہے اور اس طرح نہیں ہے کہ اس عالم تک پہنچنے والے اور ان کے درجات اور رتبوں کے درمیان کوئی فاصلہ اور جدائی ہو۔

هُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ اللَّهِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ[1]

اللہ کے نزدیک ان کے لیے درجات ہیں اور اللہ ان کے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔

۶-معیار اور میزان ہونا :

مقام "عندیت" میں انسان کا انتہائی کمال ظاہر ہوتا ہے اور اگر انسان اس دنیا میں صحیح راستہ اختیار کرے، تو وہ کمال کے انتہائی درجہ تک پہنچ سکتا ہے۔ بنا براین، اس درجات تک پہنچنے والے، انسانیت کی ہدایت کے لیے معیار اور مشعلہ راہ قرار پائیں گے۔

۷-الٰہی کتب کا مقام:

قرآن کریم اور دوسری مقدس کتابیں، مقام "عندیت میں تھیں اور اگر کوئی "حیات طیبہ "کو پالے، تو ان کتابوں کا مشاہدہ کریگا اور ان کی حقیقت سے باخبر ہو جائے گا۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ[2]

اور جب اللہ کی جانب سے وہ کتاب آئی جو ان کے پاس موجود باتوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔

يَمْحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ[3]

اللہ جسے چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے قائم رکھتا ہے اور اسی کے پاس ام الکتاب ہے۔

---

[1]۔ آل عمران ۱۶۳۔

[2]۔ بقرہ، ۸۹۔

[3]۔ رعد، ۳۹۔

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتَابٌ حَفِيظٌ [1]

زمین ان (کے جسم) میں سے جو کچھ کم کرتی ہے اس کا ہمیں علم ہے اور ہمارے پاس محفوظ رکھنے والی کتاب ہے۔

وَإِنَّهُ فِي أُمِّ الْكِتَابِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيمٌ [2]

۴۔اور بلاشبہ یہ مرکزی کتاب (لوح محفوظ) میں ہمارے پاس برتر، پر حکمت ہے۔

عالم کے تمام حقائق، اچھے اور برے لوگوں کے داستان، دنیا کے تمام واقعات اور حادثات اس کتاب میں لکھے ہوئے ہیں اور یہ کتاب مقام علیین میں پروردگار کے یہاں محفوظ ہے اور مقربان الہی جو اس درجے تک پہنچے ہیں، ان حقائق کو دیکھیں گے۔

كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْأَبْرَارِ لَفِي عِلِّيِّينَ* وَمَا أَدْرَاكَ مَا عِلِّيُّونَ* كِتَابٌ مَرْقُومٌ* يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُونَ [3]

(یہ جھوٹ) ہر گز نہیں! نیکی پر فائز لوگوں کا نامہ اعمال یقینا علیین میں ہے۔اور آپ کو کس چیز نے بتایا علیین کیا ہے؟ یہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے۔ مقرب لوگ اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

۸-آیات الٰہی کے جلوے:

مقام "عندیت "آیات الٰہی کے روشن جلوے میں سے ایک جلوہ ہے۔ وہ لوگ آیات الٰہی کو درک کر سکتے ہیں جنکی آنکھیں عالم عند اللہ کو دیکھ رہی ہوں، اور اس سے باخبر ہوں۔ یہ دنیا، آیات الٰہی سے بھری ہوئی ہے۔

خداوند متعال، تمام موجودات کا خالق ہے۔ پروردگار کی پہچان اور اس کی معرفت، اس کی نشانیوں کی پہچان کے ذریعہ ممکن ہے۔ وہ افراد جو "حیات طیبہ "کے مرحلے تک پہنچے ہیں، پہلے خدا کو پہچانتے ہیں پھر خدا کی آیات اور نشانیوں سے باخبر ہو جاتے ہیں:

---

[1]۔ ق، ۴۔

[2]۔ زخرف، ۴۔

[3]۔ مطففین، ۱۸ ــ ۲۱۔

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۗ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ[1]

ہم عنقریب انہیں اپنی نشانیاں آفاق عالم میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کی ذات میں بھی یہاں تک کہ ان پر واضح ہو جائے کہ یقیناوہی (اللہ) حق ہے، کیاآپ کے رب کا یہ وصف کافی نہیں ہے کہ وہ ہر چیز پر خوب شاہد ہے؟

۹۔ علم:

علم "حیات طیبہ" کی سب سے بڑی علامت ہے اور وہ لوگ "جو حیات طیبہ" پر زندہ ہیں، علم کی زیور سے مالا مال ہیں۔ قرآن، خدا کی شناخت اور خدا کے آثار اور نشانیوں کی شناخت بلکہ پورا علم، خدا کے پاس ہے:

قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ[2]

کہدیجئے: علم تو صرف اللہ کے پاس ہے جب کہ میں تو صرف واضح تنبیہ کرنے والا ہوں۔

علم صرف خدا کے پاس ہے اور جو بھی، علم حقیقی تک پہنچ جائے، پروردگار کے یہاں سے بہرمند ہے اور "عندیت" کے مقام پر فائز ہے۔

فَوَجَدَا عَبْدًا مِنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا[3]

وہاں ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے (خضر) کو پایا جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت عطا کی تھی اور اپنی طرف سے علم سکھایا تھا۔

اور اپنے علم خاص میں سے ایک خاص علم کی تعلیم دی تھی۔ اہل بیت رسول اس علم کا سر چشمہ اور "حیات طیبہ" کی حقیقت ہیں۔ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

والله انا لخُزّان الله في سمائه و ارضه، لا علي ذهب لا علي فضّة الّا علي علمه[1]

---

[1] ۔ فصلت، ۵۳۔

[2] ۔ ملک: ۲۶۔

[3] ۔ کہف: ۶۵۔

خدا کی قسم، ہم اللہ کی زمین اور آسمان کے خزانے دار ہیں، سونے اور چاندی کے نہیں بلکہ اس کے علم کے خزانے دار ہیں۔[1]

۱۰-نور:

ہر کوئی "پاکیزہ زندگی" تک پہنچ جائے، وہ ایسا شخص ہوگا جو تمام وابستگیوں اور آلودگیوں سے نجات حاصل کر چکا ہوگا اور اس کا دل اور جان، صاف اور پاکیزہ ہو چکا ہے۔ خداوند ایسے لوگوں کو اپنے حضور میں قبول کرتا ہے:

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ أُولَٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أُجُورَهُمْ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا[2]

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک کے درمیان کسی تفریق کے بھی قائل نہیں ہیں عنقریب اللہ ان کا اجر انہیں عطا فرمائے گا اور اللہ بڑا درگزر کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

اور جو لوگ اللہ اور رسول پر ایمان لائے وہی خدا کے نزدیک صدیق اور شہید کا درجہ رکھتے ہیں اور ان کے لیے ان کا اجر نور ہے۔ یہ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے خداوند عالم کو اپنے تمام وجود کے ساتھ درک کیا ہے اور خدا کے جمال اور جلال کا آینہ ہیں، اور لوگوں کے درمیان اس نور کے ساتھ گامزن ہیں:

أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا ۚ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ[3]

کیا وہ شخص جو مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ کر دیا اور ہم نے اسے روشنی بخشی جس کی بدولت وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو تاریکیوں میں پھنسا ہوا ہو اور اس سے نکل نہ سکتا ہو؟ یوں کافروں کے لیے ان کے کرتوت خوشنما بنا دیے گئے ہیں۔

اسی طرح اہل بیتؑ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پورے نور کو حاصل کر چکے ہیں اور دنیا کو اس کے نور سے روشنی اور جلا بخشتے ہیں۔

---

[1] بحار الانوار، ج ۲۶، ص ۱۰۳۔

[2] حدید: ۱۹۔

[3] انعام: ۱۲۲۔

يا خالد، النُور، والله، الائمه من آل محمد الي يوم القيامه، و هم، و هم، والله نور الله الذي انزل و هم، و الله، نور الله في السموات و الارض، والله، يا اباخالد، لنور الامام في قلوب المؤمنين انور من الشمس المضيئه بالنهار، و هم، و الله، ينورون قلوب المؤمنين و يحجب الله – عزوجل– نورهم عمّن يشاء فتظلم قلوبهم[5]

ابو خالد کابلی کہتا ہے : میں نے امام باقر علیہ السلام سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا کہ خداوند فرماتا ہے :

فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِي أَنْزَلْنَا ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ

لہٰذا اللہ اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا ہے ایمان لے آؤ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خوب آگاہ ہے۔

امام علیہ السلام نے جواب میں فرمایا: اے خالد خدا کی قسم۔ نور، قیامت تک اہل بیت محمد علیہم السلام ہیں، اور خدا کی قسم، وہ افراد، وہی نور ہیں جو خدا نے نازل کیا ہے، اور قسم خدا کی، وہی افراد، آسمانوں اور زمین کا نور ہیں، اے اباخالد، خدا کی قسم، امام کا نور، مومنین کے دلوں میں، دن میں سورج کی روشنی سے زیادہ روشن ہے، اور خدا کی قسم وہ لوگوں کو روشنی بخشتا ہے اور خداوند، جسے ان کے نور سے محروم رکھے ان کے دل تاریکی میں ڈوپ جاتے ہے۔

۱۱-خاص روزی :

صاحبان "حیات طیبہ "عالم "عندیت "میں ایسی نعمتوں سے بہرہ مندہ ہیں جن کے بارے میں بحث کرنا آسان نہیں:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ[1]

اور جو لوگ راہ خدا میں مارے گئے ہیں قطعاً انہیں مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس سے رزق پارہے ہیں۔

[1]. آل عمران: ۱۶۹۔

اور یہ روزی عام کھانا پینا، باغ اور بوستان نہیں ہے، بلکہ اس کی کمائی اور رزق حاصل کرنے کا طریقہ مختلف ہے اور یہ معنوی رزق دل کو زندہ رکھتا ہے اور "حیات طیبہ "کو عند اللہ کے عالم میں، دائم رکھتا ہے۔

۱۲-خاص رحمت:

خداوند متعالی کی رحمت کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ جس سے تمام مومن اور کافر بہرہ مند ہیں، مگر خداوند متعالی کی خاص رحمت اور وہ رحمت جو عالم "عندیت "سے مربوط ہے جس سے فقط و فقط "پاکیزہ زندگی "رکھنے والے بہرہ مند ہیں۔ حضرت خضر کے بارے میں آیا ہے:

فَوَجَدَا عَبْدًا مِنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا[1]

وہاں ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے (خضر) کو پایا جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت عطا کی تھی اور اپنی طرف سے علم سکھایا تھا۔

حضرت ایوبؑ کے بارے میں خدا جب سخت امتحان لینے کے بعد چھینی گئی نعمتوں کی واپسی پر فرماتا ہے:

فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِنْ ضُرٍّ ۖ وَآتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِنَا وَذِكْرَىٰ لِلْعَابِدِينَ[2]

تو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کی تکلیف ان سے دور کر دی اور انہیں ان کے اہل و عیال عطا کیے اور اپنی رحمت سے ان کے ساتھ اتنے مزید بھی جو عبادت گزاروں کے لیے ایک نصیحت ہے۔

حضرت نوحؑ کی زبانی فرماتا ہے:

قَالَ يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّي وَآتَانِي مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَنْصُرُنِي مِنَ اللَّهِ إِنْ عَصَيْتُهُ ۖ فَمَا تَزِيدُونَنِي غَيْرَ تَخْسِيرٍ[3]

---

[1]. کہف: ۶۵۔

[2]. انبیاء: ۸۴۔

[3]. ھود: ۶۳۔

صالح نے کہا: اے میری قوم! مجھے بتاؤ کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے دلیل رکھتا ہوں اور اس نے اپنی رحمت سے مجھے نوازا ہے تو اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو اللہ کے مقابلے میں میری حمایت کون کرے گا؟ تم تو میرے گھاٹے میں صرف اضافہ کر سکتے ہو۔

رحمت الٰہی کے مصادیق الگ الگ ہو سکتے ہے: حضرت خضرؑ کا علم، اور معجزے کے طور پر، حضرت ایوبؑ کی سلامتی اور ثروت کا پلٹنا اور حضرت نوحؑ کی نبوت، یہ ایسے امور ہے کہ ہدایت کے کمال تک پہنچنے پر، انسان کو عطا کئے جاتے ہیں۔ اسی بنا پر، رحمت خاص الٰہی، اس وقت انسان کو نصیب ہوتا ہے جب اللہ کی ہدایت کا اس پر اثر ہوا ہوں جس کے نتیجہ میں، وہ بندگی کے خاص مقام پر پہنچ جاتا ہے اور یہ مقام وہی مقام "عندیت" ہے اور اس زندگی سے بہرہ مند ہونا" پاکیزہ زندگی" ہے۔ خداوند عالم کی عام رحمت، ہدایت کا وسیلہ، رابطہ اور پیش خیمہ ہے اور اسے منہ پھیر لینا اور اس ہدایت کو تباہ کر دینا، غضب اور عذاب الٰہی کا سبب بنتا ہے۔

۱۳-آخرت:

گذشتہ خصوصیات کی روشنی میں، یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ "عنداللہ" کا عالم وہی عالم آخرت ہے۔ البتہ اس کی اپنی خاص خصوصیات بھی ہے جیسے بقا اور پایداری، کیونکہ آخرت دو صفات ہیں:

وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ [1]

حالانکہ آخرت بہترین ہے اور بقا والی ہے۔

اس بات سے ہٹ کر، قرآن کریم واضح طور پر کہہ رہا ہے:

قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً مِنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ [2]

کہدیجئے: اگر اللہ کے نزدیک دار آخرت دوسروں کی بجائے خالصتاً تمہارے ہی لیے ہے اور تم (اس بات میں) سچے بھی ہو تو ذرا موت کی تمنا کرو۔

[1]. اعلی: ۱۷:
[2]. بقرہ: ۹۴۔

وَالْآخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِينَ [1]

اور آخرت آپ کے رب کے ہاں اہل تقویٰ کے لیے ہے۔

اس بناپر، آخرت وہی عالم "عنداللہ" ہے اور "پاکیزہ زندگی" سے زندہ ہونے والے، گرچہ اس طبیعی دنیا میں حضور مادی رکھتے ہیں، لیکن ان کی نگاہیں قیامت اور عذاب و ثواب پر جھکی ہوئی ہیں۔ عالم آخرت ابھی قائم اور موجود ہے، مگر دنیاوی اوہام کے حجاب، رکاوٹ بنے ہوئے ہیں اور دنیا کی حقیقت دیکھنے سے انسان عاجز ہے اور وہ حقیقت آخرت ہے:

يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ [2]

لوگ تو دنیا کی ظاہری زندگی کے بارے میں جانتے ہیں اور آخرت سے غافل ہیں۔

بنابراین، آخرت ابھی سے موجود ہے، مگر آسمان اور زمین کے پردہ میں، جب قیامت آجائے گی تو پردے انسان کے آنکھوں سے ہٹ جائیں گے:

لَقَدْ كُنْتَ فِي غَفْلَةٍ مِنْ هَٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ [3]

بے شک تو اس چیز سے غافل تھا چنانچہ ہم نے تجھ سے تیرا پردہ ہٹا دیا ہے لہٰذا آج تیری نگاہ بہت تیز ہے۔

۱۴- سلام:

"سلام" سلامتی، تندرستی اور بیمار نہ ہونا کے معنی میں ہے۔ "پاکیزہ زندگی" کا مالک اور عالم "عندیت" تک پہنچنے والا، "سلام" خدا کے نام کا جلوہ گر ہوگا جو ہر قسم کی بیماریوں اور کمزوریوں سے پاک ہے۔

لَهُمْ دَارُ السَّلَامِ عِنْدَ رَبِّهِمْ

ان کے رب کے ہاں ان کے لیے سلامتی کا گھر ہے۔

---

[1]. زخرف: ۳۵۔

[2]. روم: ۷۔

[3]. ق: ۲۲۔

یہ سلامتی، دل اور جان کی سلامتی ہے، صرف بدن اور جسم کی سلامتی نہیں ہے، کیونکہ جسم اور بدن، عالم بقا اور حیات پایدار میں، روح کے تابع ہے۔ خداوند متعالی اس بارے میں فرماتا ہے:

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ * إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ [1]

اس روز نہ مال کچھ فائدہ دے گا اور نہ اولاد۔ سوائے اس کے جو اللہ کے حضور قلب سلیم لے کر آئے۔

اس کے مقابل میں، جو لوگ "پاکیزہ زندگی" اور محضر الٰہی سے محروم ہے:

فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ [2]

ان کے دلوں میں بیماری ہے، پس اللہ نے ان کی بیماری اور بڑھا دی اور ان کے لیے دردناک عذاب اس وجہ سے ہے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔

ایسے بیمار دل، قیامت کے دن بھی خدا کو مناسب طریقے سے درک نہیں کرتے، شاید ان کے سب سے زیادہ درد کا ظہور قیامت میں ہو گا:

وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ * قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَىٰ وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا * قَالَ كَذَٰلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا وَكَذَٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسَىٰ [3]

اور جو میرے ذکر سے منہ موڑے گا اسے یقیناً ایک تنگ زندگی نصیب ہو گی اور بروز قیامت ہم اسے اندھا محشور کریں گے۔ وہ کہے گا: میرے رب! تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا حالانکہ میں تو بینا تھا؟ جواب ملے گا: ایسا ہی ہے! ہماری نشانیاں تیرے پاس آئی تھیں تو نے انہیں بھلا دیا تھا اور آج تو بھی اسی طرح بھلایا جا رہا ہے۔

ارشاد ہو گا اسی طرح ہماری آیات تیرے پاس آئی تھیں اور تو نے انہیں بھلا دیا تھا اسی طرح آج تجھے بھی بھلا دیا جائے گا اور نظر انداز کر دیا جائے گا۔ "پاکیزہ زندگی" حیات طیبہ" تک پہنچنے والوں کی خصوصیات میں سے بعض خصوصیات یہ ہے کہ استوار اور درست مقام کو پالینا، واس چیز کو درک کر

[1]. شعراء: ۸۹۔
[2]. بقرہ: ۱۰۔
[3]. طہ: ۱۲۴ ــ ۱۲۶۔

لیناکہ اس کے تمام وجود کا مالک خداوند متعال ہے اور خدا کے سامنے تکبر سے پیش نہ آنااور خدا کی لازوال حمایت سے بہر مند ہونا۔

نتیجہ:

- خدا سے عہد اور پیمان کی پاسداری، رحمت الہی کے نزول کا سبب، اور پائیدار اور دائمی زندگی کا باعث بنتی ہے۔
- اسلامی طرز زندگی "حیات طیبہ" میں، ایک نئی زندگی ہے جو دوسرے لوگوں کی زندگی سے فرق رکھتی ہے۔
- "حیات طیبہ" میں طرز زندگی، ایک واقعی اور حقیقی زندگی ہے نہ غیر واقعی زندگی اور نہ ہی ناقص زندگی۔
- خدا کی خوشنودی کے لیے، بردباری، صبر اور تحمل، "حیات طیبہ" میں داخل ہونے کے لیے شرط ہیں۔
- خدا پر ایمان اور نیک عمل، اسلامی طرز زندگی اور "حیات طیبہ" تک پہنچنے کا بنیادی معیار اور شرط ہیں۔
- ایمان اور اچھے اعمال کے انجام دینے سے انسان کو پاکیزہ زندگی اور حیات طیبہ نصیب ہوتی ہے۔ کیونکہ "حیات" تمام موجودات کے حس اور حرکت کا سبب ہے، "حیات طیبہ" پاکیزہ زندگی" بھی خداوند متعال کے شہود اور تجلیات انوار الہی میں سیر کا سبب ہے اور اس کے نتیجہ میں نئی نورانی طرز زندگی، انسان کو نصیب ہوتی ہے۔
- "حیات طیبہ" ایک ایسی زندگی ہے جس میں خوشی، آرامی، شعور اور شہودی بصیرت پائی جاتی ہے اور جس زندگی کا سرپرست خداوند متعال ہو اس زندگی میں سختی، ذلت اور شقاوت کا تصور نہیں۔

منابع

۱. قرآن کریم
۲. آلوسی بغدادی، شہاب الدین سید محمود. روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی. دار احیاءالتراث العربی، بیروت، چاپ چھارم، ۱۴۰۵ھ ق
۳. تفسیر فخر رازي
۴. جوادي آملي، عبداللہ. دیدگاہ علامہ در باب ولایت الھي. مجلہ میراث جاویدان، ش دوم، سال دوم، ۱۳۶۹، ص ۹۵
۵. جوادي آملي، عبداللہ. فطرت در قرآن. قم، اسراء، ۱۳۷۹
۶. دشتي، محمد. ترجمہ نہج البلاغہ. قم، انتشارات پارسیان، چاپ دوم، ۱۳۷۹
۷. طباطبائی سید محمد حسین. المیزان فی التفسیر القرآن. بیروت، مؤسسہ الاعلمي للمطبوعات، ۱۴۱۷
۸. طباطبائی، سید محمد حسین. رسالہ الولایہ، ضمیمہ کتاب طریق عرفان: ترجمہ رسالہ الولایہ. ترجمہ صادق حسین زادہ، قم، نشر بخشایش، ۱۳۸۱
۹. طبرسی، فضل بن حسن. مجمع البیان. ترجمہ علی کرمی، تہران، فرھانی، ۱۳۸۰
۱۰. فارابی، ابونصر. اندیشہ ھاي اھل المدینہ الفاضلہ. ترجمہ دکتر سید جعفر سجادي، تھران، سازمان چاپ وانتشارات، ۱۳۷۹
۱۱. قمی، ابوالحسن علی بن ابراھیم. تفسیر قمی
۱۲. کلینی، محمد بن یعقوب. اصول کافی. شرح وترجمہ سید جواد مصطفوی، قم، انتشارات علمیہ اسلامیہ، ۱۳۷۵
۱۳. کلینی، محمد بن یعقوب. الکافی. تہران، دار الکتب الاسلامیہ، ۱۳۶۵
۱۴. مجلسي، محمد باقر. بحارالانوار. دارالاحیاءوالتراث العربی، بیروت، ۱۴۰۳ھ ق
۱۵. مظاھری سیف، حمید رضا. نظریہ قرآن در باب چیستي علم. ماہنامہ معرفت، ش ۸۳، آبان ۱۳۸۳
۱۶. مکارم شیرازي، ناصر. تفسیر نمونہ. قم، دار الکتب الاسلامی، ۱۳۷۳
۱۷. ھاشمی رفسنجاني، اکبر. تفسیر راہنما. قم، بوستان کتاب، ۱۳۸۰